نوٹ مدیر:

''پرتؔو روہیلہ نے کمال انہاک و یکسوئی سے پچھلے بارہ چودہ سال میں غالبؔ کے تمام متداولہ ومطبوعہ فارسی مکتوبات کے مجموعوں کا فرداً فرداً اُردو میں ترجمہ کر دیا ہے اور پھر یہ سارے فارسی مکتوبات ''کلیات مکتوبات فارسئ غالب'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد سے ۲۰۰۹ء میں طبع بھی ہو گئے جو یقیناً غالبؔ شناسی کی سمت میں ایک بڑا واقعہ ہے۔ لیکن اس بڑے کام کی تکمیل کے بعد دم لینے کے بجائے اب وہ غالبؔ کے پراگندہ ومنتشر فارسی مکتوبات، جو تاحال کہیں یکجا دستیاب نہیں، کی جمع آوری کے در پے ہیں۔ اس سمت میں وہ بہت سا فاصلہ طے بھی کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر مکتوب اسی منزل کی سمت اُن کا ایک اور قدم ہے۔ یہ ادارہ اُن کی سابقہ کاوشوں کا مداح ہونے کے ساتھ ان کی زیرِ نظر کاوش کی تکمیل کے لیے بھی دُعا گو ہے۔''

غالبؔ کا ایک نو دریافت فارسی خط

بنام شیخ امیر اللہ سرورؔ

ترجمہ: پرتؔو روہیلہ

Abstract

Mirza Ghalib is not only the biggest trend setter of urdu ghazal but his letters have also hitorical and literary importance. This is a newly discovered and translated letter of Mirza Asad Ulla Khan Ghalib which reveavles the contemporary issues of colonial subcontinant.

خط۔ ۱

مجموعہ مہر ومحبت (خدا آپ کو) سلامت رکھے۔ پیر کی صبح اگست کی تیرہ تاریخ کو انگریزی ڈاک کے ایک تیز رفتار قاصد نے آپ کا دلنواز خط لا کر دیا تو عنوان خط سے مجھے معلوم ہوا کہ جناب عالی لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ آپ کی پریشانی سے دل سلگ اُٹھا۔ لیکن اسی خط سے جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کسی صاحب دولت سے وابستہ ہو کر والا صفات مرزا محمد مسیح خان کی رفاقت میں لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں تو پریشانی کا ازالہ ہوا اور افسردگی دور ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے دو خط مجھے بھیجے ہیں اور میں نے جواب نہیں دیا۔ اے مہربان آپ کی ادا نہ کردہ خدمت اگر صرف نظر

ہوسکتی ہے تو میرا ناکردہ گناہ بھی معاف کیا جا سکتا ہے۔ انصاف بالائے طاعت، اِن اندھیرے دنوں اور تاریک وقتوں میں جب نواب گورنر جنرل بہادر کی آمد کا چرچا ہے اور وہ اس شہر میں دوسری بار آ رہے ہیں، میں حیران و پریشان گلی گلی کوچے کوچے پھر رہا ہوں۔ظلم کی چھری نے دل کوٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور دل کا ہر ٹکڑا (علیحدہ) مضطرب ہے اور مزید مشکل یہ کہ مقامہ تا حال جاری ہے اور نا اُمیدی کی سیاہ رات کی صبح ہونے نہیں پاتی۔ کاش مجھے معلوم ہوسکتا کہ اس مسئلے کا حل کون سی منزل پر ہے کہ پریشان نہ ہوتا اور اُمید وبیم کی کش مکش نہ ہوتی۔ چلئے باعث مسرت ہے کہ خوش قسمتی سے آپ لکھنؤ پہنچ گئے اور مرزا تقی ہوسؔ وخواجہ حیدر علی آتشؔ جیسے عالی مرتبت حضرات کی صحبت سے مستفید ہوئے۔افسوس مجھ پر کہ میں نے یہ پانچ ماہ لکھنؤ تو ئی ٹولے میں خاک نشینی میں گزار دیے اور مجھے ان بلند مرتبہ لوگوں کی قدم بوسی کا شرف حاصل نہ ہوا۔ جناب کی فرمائش کہ غالبؔ سرگشتہ چند اُردو غزلیں کہہ کر آپ کو ارسال کرے تو یقیناً آپ بھول گئے کہ (ان دنوں) فارسی گوئی میرے ذہن پر طاری ہے۔اُردو غزل گوئی ترک ہو چکی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ (اُردو غزلیں) لکھنؤ بھیجنا ایسا ہے جیسے چمن کو پھول اور اصفہان کو سرمہ بھیجا جائے۔ خدا کی قسم اُردو غزل گوئی ترک کر چکا ہوں اور سابقہ غزلوں سے، ان کو جو میرے ذوق شعری پر پوری اُترتی ہیں، علیحدہ کر کے باقی سب پر قلم تنسیخ پھیر دیا ہے۔ پھر بھی چونکہ آپ کی فرمائش عزیز ہے آٹھ غزلیں ارسال کر رہا ہوں۔ اعلیٰ صفات مرزا تقی ہوسؔ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کی خدمتِ اقدس میں ان غزلوں کو پیش کر کے ان سے میری جانب سے اصلاح کی درخواست کریں اور اس بکواس کو دیکھ کر ان کی زبان گوہر فشاں سے جو کچھ بھی ادا ہو مجھے لکھ بھیجیں۔ والسلام والاکرام۔فقط۔

حواشی

ڈاکٹر حنیف نقوی

''غالب کے تین فارسی خطوط'' ماہنامہ آجکل نئی دہ مارچ ۲۰۱۱ء

جو خط اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، ''مراسلاتِ غالب ''حضرت سید علی غمگینؔ'' کے قلمی نسخے سے لیا گیا ہے۔خطوط کا یہ مجموعہ گذشتہ صدی کے ساتویں عشرے کے اواخر تک غمگینؔ ''اکادمی، فقیر منزل، گوالیار میں محفوظ تھا۔ ستمبر ۱۹۷۱ء سے قبل یہ کسی طرح وہاں سے مانٹریال (کناڈا) میں اُردو کے استاد محمد عبد الرحمٰن بارکر کے ذاتی کتب خانے میں پہنچ گیا اور اب ان کے ذخیرۂ کتب کے ساتھ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ اینڈ سویلزیشن، کوالالمپور، ملیشیا کی لائبریری میں منتقل ہو چکا ہے۔اس وقت اسی لائبریری سے پروفیسر معین الدین عقیل (کراچی) کی عنایت سے حاصل شدہ اس نسخے کا عکس ہمارے پیشِ نظر ہے۔اس مجموعے میں غالبؔ کے کل بارہ خطوط شامل ہیں۔ان میں سے دس حضرت غمگینؔ گوالیاری کے نام ہیں، جب کہ باقی دو مکتوب ''خط مرزا نوشہ بہ دوستانِ ساکنِ لکھنؤ'' کے زیرِ عنوان منقل ہیں۔ یہ عنوان اسی صورت میں پہلے اور دوسرے دونوں خطوں سے پہلے درج ہے۔غمگینؔ کے نام کے خطوط یا ان کے اقتباسات مختلف مضامین یا کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں لیکن باقی دو خطوں کا مختصر حوالہ

بھی کسی جگہ کم از کم راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ حتیٰ کہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے بھی جو اس مجموعے سے براہِ راست استفادہ کرنے والے معدودے چند افراد میں سے ایک ہیں، انہیں غور سے پڑھنا تک ضروری نہیں سمجھا۔ (اُردوئے معلیٰ، غالب نمبر، جلد اوّل، ص: ۱۴۳) ان میں سے پہلا خط بہ صورتِ مطبوعہ ''پنج آہنگ'' میں موجود ہے۔ یہ شیخ امیر اللہ سرور کے نام سے جو ''تلامذۂ غالب'' کے مطابق اکبرآباد کے رہنے والے تھے۔ دوسرا خط جواب تک طباعت سے روشناس نہیں اس وقت زیرِ نظر ہے۔

داخلی قرائینِ وشواہد کی رو سے اس خط کی تاریخِ تحریر دوشنبہ، ۱۳ اگست ۱۸۳۲ء ہے۔ مجموعے میں شامل اس سے پچھلا خط اس سے چند ماہ قبل لکھا گیا تھا۔ ان دونوں خطوں کے بعض لفظی و معنوی اشتراکات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مکتوب الیہ فردِ واحد ہے۔ مثلاً

۱۔　ان دونوں خطوں میں مکتوب الیہ کے خط کو ''دل نواز نامہ'' کہا گیا ہے۔

۲۔　پہلے خط کا آغاز ''حضرت سلامت'' سے اور دوسرے کا ''مجموعۂ مہر و وفا سلامت'' سے ہوا ہے۔

۳۔　غالب کے قیاس کے مطابق مکتوب الیہ خط لکھنے میں تساہل کا عادی ہے مگر اپنی خفت مٹانے کی غرض سے دروغ بافی سے کام لیتا ہے اور ان سے خطوں کے جواب نہ دینے کی شکایت کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ پہلے خط میں لکھتے ہیں:

> ''گلہ از نا رسیدنِ پاسخ نامہ ہائے خویش می کنید و از خدا شرم ندارید ...... دانستم کہ یک چند مرا فراموش کردہ بودید۔ ناگاہ ...... شنیدید کہ فلانے از سخت جانی ہنوز زندہ است، مہر کہن بجنبید، خواستید کہ بہ نامہ یاد آورید، از فراموشی روزگارِ گزشتہ اندیشہ کردید۔ لاجرم دروغے چند باہم بافتیدو آں را دیباچۂ دیبائے نامہ ساختید......''

اس خط میں یہی بات اس طرح کہی گئی ہے:

> ''می نویسید کہ دو تا نامہ فرستادیم و مارا بہ پاسخ یاد نیناوردی۔ مہر بانا، خدمتِ ناگزارادنہ شما مجراست، جرمِ ناکردنہ مانیز تواں بخشید۔''

۴۔　پہلے خط میں گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنگ بہادر کے دہلی میں ورود کے انتظار کی بات کہی گئی ہے، دوسرے خط میں گورنر جنرل کی شہر میں مکرر آمد پر اپنی ''آسیمہ سری وسرگردانی'' کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔　پچھلے خط کے بعض مندرجات سے مکتوب الیہ کے عارضی طور پر لکھنؤ میں مقیم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے خط میں اپنے مربی وسرپرست نواب مرزا محمد مسیح خاں بہادر کی معیت میں ان کے لکھنؤ میں ورود اور قیام کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔

۶۔　پچھلے خط میں غالب لکھتے ہیں: ''خواستہ اید کہ از ...... تراویدہ ہائے کام و زبانِ خود بہ شمار مغانے فرستم۔'' اس خط میں مکتوب الیہ کی اس فرمائش کا ذکر ان الفاظ میں ہوا: ''فرماں دادہ اید کہ

غالبؔ مستہام ریختۂ چند از رگِ کلک بر ورق فرو ریزد و بہ خدمت فرستد۔''

۷۔ پچھلے خط میں مرزا غالبؔ نے مکتوب الیہ کو مرزا حیدر علی افصحؔ، شیخ امام بخش ناسخؔ، خواجہ حیدر علی آتشؔ اور ''دیگر تازہ خیالانِ لکھنؤ'' کی ''روشِ پسندیدہ طرزِ گزیدہ'' کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ اس وقت تک ان شعرا میں سے مرزا محمد تقی ہوسؔ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہو چکے تھے۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس خط کے مکتوب الیہ بھی شیخ امیر اللہ سرورؔ ہی ہیں۔

غالبؔ کے اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے پہلی بار یہ اطلاع ملتی ہے کہ غالبؔ دہلی سے کلکتے جاتے ہوئے لکھنؤ میں بہ غرضِ علاج اپنے طویل قیام کے دوران چوک کے علاقے میں محلّہ توئی ٹولہ (تھوئی ٹولہ) میں مقیم رہے تھے۔ اس خط میں انہوں نے اپنے اس قیام کی مدت پانچ ماہ بتائی ہے۔ اس سے قبل مقدمۂ پنشن کے عرضی دعوے میں بھی انہوں نے لکھنؤ میں پانچ مہینے سے کچھ اُوپر بستر پر پڑے رہنے کا ذکر کیا ہے اور اس کے کئی برس بعد ابنِ حسن خاں کے نام کے ایک خط میں وہاں قیام کی مجموعی مدت ''کما بیش پنج ماہ'' قرار دی ہے۔ لیکن ہماری تحقیق کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ میں ان کا یہ قیام تقریباً آٹھ ماہ (اواخرِ اکتوبر یا اوائل نومبر ۱۸۲۶ء تا ۲۱ جون ۱۸۲۷ء) کو محیط تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ پوری مدت تقریباً گوشہ گیری کے عالم میں گزاری۔ لکھنؤ جیسے مرکزِ شعر و ادب میں رہتے ہوئے آتشؔ اور ہوسؔ جیسے اساتذۂ وقت سے ملاقات نہ کرنا یا ملاقات نہ ہونا ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جو اس خط کی عدم موجودگی میں کسی طرح قابلِ اعتبار نہ ہوتا۔ اس سلسلے میں شیخ امام بخش ناسخؔ کا نام نہ آنے کا سبب یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں سیاسی حالات کی نامساعدت کی بناء پر لکھنؤ سے ترکِ سکونت کر کے الہ آباد میں فروکش تھے۔ بہر حال آتشؔ اور ہوسؔ کے سلسلے میں غالبؔ کے اس بیان سے ان کے جس غیر متوقع رویے کا اظہار ہوتا ہے، اس کی وجہ کوئی سیاسی مصلحت تھی یا محض ذاتی انا، یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے۔